دنیا کی کسی سلطنت کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ کسی کو مومن یا کافر کہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ 19/ جنوری 1973ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوذاور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی:-

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِىْ حَآجَّ إِبْرَاهِيْمَ فِىْ رِبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ قَالَ أَنَا أُحْيِىْ وَأُمِيْتُ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لاَ يَهْدِىْ الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ

(سورۃ البقرۃ :258)

اس کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہوا کہ جس شخص کو ہم نے بادشاہت اور سلطنت عطا کی تھی اور جسے ہماری طرف سے سیاسی اقتدار ملا تھا۔ اس نے ہمارے ہی(یعنی اپنے ربّ کے) بارے میں ابراہیمؑ سے بحث شروع کر دی اس شخص نے جس موضوع پر بحث کی اس کی طرف صفت ربوبیت یعنی رب کا لفظ اشارہ کر رہا ہے۔ اس نے کہا کہ موت وحیات اور جسمانی او رروحانی اجالے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا نہیں کئے گئے بلکہ ہم کو جو بادشاہ ہیں رب کی یا اس کے تصرف کی یا اس کی نصرت اور اس کی مدد کی ضرورت نہیں ہے اور اس طرح اس نے سلطنت میں انکساری پیدا کرنے کی بجائے غرور پیدا کیا۔ اتنا غرور کہ جس نے انسان کو پاگل کر دیا اور وہ خدا کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سمجھانے کے لئے کہا کہ دیکھو زندگی اور موت کا سلسلہ جو ہمیں اس دُنیا میں نظر آتا ہے۔ اس پر ہمیں انسانی تصرف نظر نہیں آتا۔ وہ انسان کے اختیار میں نہیں اس لئے ہمیں ایک بالا ہستی

کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا۔ جو متصرف بالارادہ اور قادر مطلق ہو اور جس کے متعلق ہم یقین کریں کہ زندگی اور موت کا سلسلہ اسی نے جاری کیا۔ ایسے لوگ صرف دین سے ہی بے بہرہ نہیں ہوتے۔ دُنیوی لحاظ سے بھی انہیں حقیقتِ اشیاء کا علم نہیں ہوتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے دلیل یہ دی گئی تھی کہ موت وحیات رب رحیم کے اختیار میں ہے اور جو اب اس شخص نے یہ دیا کہ میں اس سلطنت کا مالک ہوں جو میرے ملک میں زندہ ہے وہ اس لئے زندہ ہے کہ میں نے اسے مارنے کا فیصلہ نہیں کیا اور اسے مارنے کا حکم نہیں دیا ورنہ جس کو میں چاہوں مروا سکتا ہوں اور مروا دیتا ہوں۔ تو جو چیز تم رب کی طرف منسوب کر رہے ہو، وہ میرے اندر بھی پائی جاتی ہے یعنی جو زندہ ہے وہ اس لئے زندہ ہے کہ میں اسے مار نہیں رہا اور جسے میں مارنا چاہوں اسے میں مار دیتا ہوں پس زندگی اور موت میرے اختیار میں بھی اسی طرح ہے جس طرح تم سمجھتے ہو کہ رب کے اختیار میں ہے۔ یہ جہالت کا جواب تھا۔ یہ جواب اس لاعلمی اور جہالت کے نتیجہ میں دیا گیا کہ زندگی اور موت کہتے کسے ہیں؟

حیات کا لفظ قرآن کریم نے جن معانی میں استعمال کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر یہ لفظ نبات وغیرہ قسم کی چیزوں کے لئے بولا جائے تو اس کے معنی ہیں کہ ان میں قوت نمو نشو و نما کی طاقت پائی جاتی ہے اور ساری دُنیا کے بادشاہ مل کر بھی کسی چیز میں جو نبات کی قسم کی ہو یہ زندگی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ اب پلاسٹک کے تنکے بن گئے ہیں۔ ان سے مصنوعی پھول کی جھاڑی سی بنا کر بعض دوکاندار پھولوں سے لدی ہوئی ایک چیز بنا دیتے ہیں لیکن اس میں نمو کی طاقت نہیں ہوتی اور نہ پیدا کی جا سکتی ہے اور جب حیات کا لفظ حیوان کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کے اندر حِس پائی جاتی ہے۔ گو جتنے جاندار ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنے وجود کے لحاظ سے اور جس مقصد کے لئے انہیں پیدا کیا گیا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف قسم کی حِسیّں دی ہیں اس میں بڑا تنوع ہے۔ ہمیں اس میں اللہ تعالیٰ کی شان نظر آتی ہے اور جب انسان کے لئے یہ لفظ استعمال ہو تو قرآن کریم نے اس کے دو معنی کئے ہیں اور ”مفردات“ میں امام راغب نے اس کے جو معنی کئے ہیں وہ دونوں قسم کی حیات پر لگ جاتے ہیں یہ کہ (۱) جس میں عقل ہو اور (۲) قوت عمل ہو۔ سمجھ کے ساتھ، عقل کے ساتھ اپنے تجربہ اور مشاہدہ کے نتیجہ میں کچھ نتائج اخذ کر کے اور اصول بنا کر انسان اعمال کرے یہ زندگی ہے۔

پس کسی معنی میں بھی زندگی کو لیں۔ ایک بادشاہ کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کا وہ بادشاہ کیا، آج کے زمانہ کی ساری حکومتیں بھی حیات اور موت اس معنی میں پیدا نہیں کر سکتیں چونکہ وہ حیات کو پیدا نہیں کر سکتے اور موت اس رنگ میں حیات کی نفی ہے لہٰذا موت بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو سمجھانے کے لئے مذہب، جو اصل مقصد تھا، کی طرف لے آئے اور کہا دیکھو اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی صفات کی دو اصولی جلوہ گاہیں نظر آرہی ہیں۔ ایک تو مادی دُنیا میں مثلاً سورج ہے یہ اللہ تعالیٰ کے نور کی آماجگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نور اللہ تعالیٰ کی سمت سے اُٹھتا ہے اور اس سورج کے لئے مشرق بنا دیتا ہے اور (۲) روحانی طور پر اس کے نور کے جلوے ظاہر ہوتے ہیں اور بنی نوع انسان کے لئے روحانی مشرق بن جاتی ہے جیسا کہ سورۂ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کیا کہ میں رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ اور رَ بُّ الْمَغْرِبَیْنِ ہوں یعنی مادی دُنیا کی جو مشرق ہے اس کا رب بھی میں ہوں اور روحانی دُنیا کی جو مشرق ہے اس کا رب بھی میں ہوں اور جسمانی دُنیا کی جو مغرب ہے یعنی روشنی کا فقدان اور سورج کا ڈوب جانا، وہ بھی میرے حکم اور منشاء سے، اور میرے منصوبہ کے ماتحت اورمیری مصلحت سے ہوتا ہے اور روحانی طور پر اندھیروں کے پائے جانے کے اصول بھی میں نے وضع کئے ہیں۔

پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بادشاہ کو فرمایا کہ دیکھو میرا رب تو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے یعنی روشنی کو وہاں سے نمودار کرتا ہے۔ تم سورج کو اپنے اندھیروں سے طلوع کر کے دکھا دو یہ بڑا لطیف مضمون ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ میرے رب نے اپنی نورانی تجلّی سے مجھے اپنے نور کی جلوہ گاہ بنا دیا ہے۔ سورج میرے وجود میں روحانی افق پر طلوع ہو گیا تم اندھیرے میں ہو تم پر اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اصول کے مطابق روحانی روشنی کا سورج غروب ہو چکا ہے۔ تو تم روحانی طور پر اپنے اس مغرب کو مشرق بنا دو اور اگر تمہارے اندر رب کی طاقت ہے تو نور کا وہ جلوہ ظاہر کرو اور اپنی فضا کے اندھیروں کو دور کرو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس رنگ میں بات کی ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس نکتے کو سمجھا یا نہیں بہرحال اس کا جو ظاہر تھا اس نے اسے ہرا دیا۔ جیسا کہ فرمایا فَبُہِتَ الَّذِیْ کَفَرَ پس اس آیت میں بہت سی حقائق زندگی بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ (التغابن:2) کہ حقیقی بادشاہت اور سلطنت اللہ تعالیٰ کی ہے اور جس کو وہ چاہتا ہے اپنی اس حقیقی بادشاہت میں سے ظلی طور پر کسی مخصوص اور کسی محدود زمانے میں اور کسی معین

جگہ پر کسی کو بادشاہ بنا دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا تُؤْتِی الْمُلْكَ مَن تَشَاء وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاء (ال عمران:27) اور دوسرے یہ کہ جب بادشاہ اور سیاسی طو ر پر صاحب اقتدار ہونا کسی کے اپنے ہاتھ میں نہیں اور نہ کوئی اپنی طاقت اور کوشش سے ہو سکتا ہے تو بادشاہ کو کسی قسم کا تکبر اور غرور اختیار کرنے کا حق حاصل نہیں کیونکہ جو اس کو ملا اس کی اپنی قوت، طاقت، زور اور منشاء کے مطابق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ کے نتیجہ میں اس کو ملا۔

ایک اَور بات اس سے یہ نکلتی ہے کہ جب اپنے بنائے ہوئے اصول کے مطابق بادشاہت نہیں ملی تو شاہی اختیار اس دائرہ کے اندر محدود ہو گا جو کہ اختیار دینے والے نے کھینچ دیا۔ جیسا کہ فرمایا آتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ (البقرۃ:259) پس جب اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اقتدار دیا ہے تو بادشاہت کے اختیار کی تعیین اور حدبندی بھی اللہ تعالیٰ ہی کرے گا۔ دُنیا میں جو ڈکٹیٹر (آمر) ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بادشاہت پر اپنے زور سے اور اپنی فوج کے زور سے قبضہ کیا ہے اور وہ اپنے لئے خود قانون بناتے ہیں۔ جہاں جمہوریت ہے وہاں عوام کہتے ہیں جو قانون ہم دیں گے اس کے مطابق حکومت کو کام کرنا ہو گا یا اگر Representative Democracy ہے یعنی عوام کے نمائندے آکر حکومت اور قانون بناتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم جو دائرہ اختیارات قائم کریں گے اس کے اندر حکومتِ وقت کو رہنا پڑے گا چنانچہ وہ قانون بناتے ہیں اور صدر کا یا وزیر اعظم کا یا وزارت کا اختیار نہیں ہوتا کہ اپنے لئے خود قانون بنائے اور جو اختیارات وہ چاہے لے لے۔

پس اس دُنیا میں جو جمہوریت ہے یا حکومتوں کے دیگر مختلف طریق کار ہیں اس سے بھی ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ عقلاً جس نے بادشاہ بنایا اسی نے دائرۂ اختیارات کی تعیین کرنی ہے۔ تو آتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ میں تیسری چیز جو مَیں بیان کر رہا تھا یہ ہے کہ چونکہ بادشاہت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس لئے بادشاہت کے اختیارات وہ ہوں گے جن کا بیان اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے ذریعہ کرے گا۔ خود اپنی طرف سے بادشاہ کا کوئی اختیار نہیں ہو گا۔

پس اگر ان تین پہلوؤں سے آتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب کے بارہ میں بحث کرنے والے کا جواب جہالت پر مبنی تھا۔ قرآن کریم نے اس نکتے کے متعلق آیات تو بہت سی بیان کی ہیں مگر شاید میں اس وقت ان کی تفصیل میں نہ جا سکوں اور نہیں جا سکتا کیونکہ میری

طبیعت ناساز ہے۔ چوتھی چیز جس کا یہاں ذکر آیا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حیات اور ممات کا مالک ہے اور کسی اَور مخلوق کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسا دعویٰ کرے۔

زندگی سے مراد اگر انسانی زندگی لی جائے تو وہ عقل کے ساتھ عمل کرنے کی طاقت ہے۔ دُنیا کا کون بادشاہ یا کن بادشاہتوں کا مجموعہ ہے جو جنون کو عقل میں تبدیل کر دے۔ اگر زندگی قوتِ عاملہ عاقلہ کا نام ہے تو دُنیا کی کوئی بادشاہت کسی کو قوتِ عاملہ عاقلہ نہیں بخش سکتی۔ زندگی جب ختم ہو جاتی ہے تو یہ قوت عاملہ عاقلہ کی نفی ہے۔ زندگی روحانی ہو یا جسمانی سوائے اللہ کے نہ کوئی دے سکتاہے نہ بطور حق کے کوئی لے سکتا ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی کو کسی نے قتل کر دیا؟ مارنے کا تو خداتعالیٰ نے ایک اصول بنایا تھا اس کے مطابق اس نے قتل کیا۔ ہر وہ چیز جس سے انسان کی قوت عاملہ عاقلہ سلب ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ اگر اس کو چھوڑ دو تو تم کوئی ایسی چیز نہیں بنا سکتے کہ قوت عاملہ عاقلہ کو سلب کر لو پس جو ناجائز قتل ہے وہ بھی قوت عاملہ عاقلہ کے سلب کا وہ طریقہ ہے جو خداتعالیٰ نے بنایا ہے۔ بہرحال جہاں تک زندگی کا سوال ہے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے۔ واضح تو دوسری بھی ہے ممکن ہے بعض بچوں کو سمجھ نہ آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ دیکھو! زندہ کرنا اور مارنا اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار میں کیا ہے۔ جسمانی طور پر بھی کوئی زندگی خداتعالیٰ کے قانون اور منشاء کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی موت اس کے بنائے ہوئے اصول کے خلاف چل کرواقع ہوسکتی ہے۔ اس مخالف نے کہا (اپنی جہالت کے سبب سے وہ سمجھا نہیں) کہ میں بھی مارتا ہوں اور جو نہیں مرتا وہ سمجھو میری عطا کردہ زندگی ہے نا۔ ایسے بے وقوف اور ظالم بھی دُنیا میں ہوتے ہیں کہ ہم نے بڑا احسان کیا کہ تیری جان نہیں لی۔ دوسرے یہ کہ جسمانی یا روحانی احیاء و اماتت اللہ کے اختیار میں ہے۔ اس لئے بادشاہِ وقت کسی کو زندگی دینے یا اس سے زندگی چھین لینے کی طاقت رکھتا ہے نہ حق، نہ جسمانی طور پر نہ روحانی طور پر۔

پس دُنیا کی کوئی سلطنت عقلاً یہ حق نہیں رکھتی کہ فیصلہ کرے کہ کوئی شخص یا جماعت روحانی طور پر زندہ ہے کیونکہ روحانی زندگی زندہ خداتعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق کا نام ہے اس کے بغیر روحانی میدانوں میں انسان کو قوت عاملہ عاقلہ حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے بھی میں نے ایک مضمون میں بتایا تھا۔

پس کسی حکومت یا سلطنت کو یہ حق نہیں کہ وہ اعلان کرے کہ فلاں شخص بڑا مومن ہے اور وہ جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى (النجم:33) خدا کہتا ہے میں زندگی دینے والا ہوں اس واسطے میں نے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کس کو میں نے زندگی دی ہے اور کس کو نہیں دی۔ حکومت وسلطنت کا یہ حق نہیں اور جب حکومت اور سلطنت ایمان کی سند اور جنت کا ٹکٹ نہیں دے سکتی تو کسی کو کافر بھی نہیں کہہ سکتی یعنی جب روحانی زندگی کا فیصلہ نہیں کر سکتی تو روحانی موت کا فیصلہ بھی نہیں کر سکتی کیونکہ کفر تو روحانی موت ہے اور ایمان روحانی زندگی ہے۔ خداتعالیٰ قرآن عظیم میں کہتا ہے کہ دُنیا کی کسی سلطنت کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ کسی کو مومن کہے یا کافر کہے یعنی روحانی طور پر زندہ یا مردہ کہے اور اس کے خداتعالیٰ کی رضا کے حقدار ہونے کا اعلان کرے یا یہ اعلان کرے کہ اس پر خداتعالیٰ کا غضب بھڑکے گا۔ کسی حکومت کا یہ حق نہیں ہے لیکن لوگ بھی سیاسی اقتدار رکھنے والوں میں بھی ضالّ اور جاہل ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں جو حاکم تھا اس کی حکومت چھوٹی سی تھی لیکن اب بڑی بڑی حکومتیں ہیں۔ یہ لوگ بعض لحاظ سے بڑے عقلمند سمجھے جاتے ہیں۔ سائنس میں اُنہوں نے بڑی ترقی کی۔ مثلاً روس ہے۔ لیکن اُنہوں نے بھی وہی بات کی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں بادشاہ نے کی کہ ہم زمین سے خدا کے نام اور آسمانوں سے خدا کے وجود کو ختم کر دیں گے یعنی خود خدا بن گئے۔ زندگی اور موت کا حق اپنے ہاتھ میں لے لیا لیکن روس کے سارے سائنسدان یا اگر اس قسم کی کچھ اور دہریہ حکومتیں ہیں ان کے سارے سائنسدان مل کر بھی خداتعالیٰ کے بنائے ہوئے اصولوں کے خلاف کسی انسان کو پیدا نہیں کر سکتے اور نہ وہ خداتعالیٰ کے قائم کردہ اصولوں کے خلاف چل کر کسی سے زندگی کی علامات چھین سکتے ہیں یعنی حقائق زندگی کو کوئی نہیں چھین سکتا لیکن جب ان کو طاقت ملی اور انہیں خداتعالیٰ نے ملک دیا تو اُنہوں نے خدائی کا دعویٰ کر دیا اور روس کو تو میں کہوں گا کہ جب میں کہتا ہوں کہ تمہیں خداتعالیٰ نے ملک دیا تو میرے پاس اس کی ایک زبردست دلیل ہے۔ جس کا تم انکار نہیں کر سکتے۔ وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے لینن کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر یہ مشورہ کرنے سے بھی پہلے کہ ہم روس میں ایک انقلابی حکومت قائم کریں، زار روس کی تباہی اور ایک انقلابی حکومت کے قیام کی خبر دی تھی پس خود تمہارا وجود بھی خداتعالیٰ کی ایک مصلحت کے نتیجہ میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے بادشاہ نے بھی آپ سے کہا کہ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں اس لئے کسی بالا ہستی کی ضرورت نہیں اور اب جن کو حکومت ملی ہے وہ بھی اس قسم کی باتیں کرتے ہیں گویا کہتے ہیں کہ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں کیونکہ وہ دراصل زندگی اور موت کا فلسفہ نہیں سمجھے(جسمانی زندگی اور موت اور روحانی زندگی اور موت دونوں پر ہی یہ آیہ کریمہ روشنی ڈالتی ہے) اور اس روحانی زندگی کو زیادہ نمایاں کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا دیکھو! روشنی وہاں ہوتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے نور کا جلوہ ظاہر ہوتا ہے۔ پس سورج روحانی طور پر بھی اور جسمانی طور پر بھی اللہ تعالیٰ ہی نکالتا ہے فرمایا:- کہ دیکھو روحانی طور پر اندھیرے وہیں دور ہوتے ہیں جہاں خداتعالیٰ کی نورانی روحانی تجلی ہو۔ تم روحانی طور پر اندھیروں میں ہو۔ اپنے اخلاق کو دیکھو، اپنی حالت کو دیکھو اور جو تمہاری قیادت ہے اس کے نتیجہ میں جو ظلم اور حق تلفی ہو رہی ہے اس کو دیکھو۔ یہ تو اندھیرا ہے پس تمہارے سائے میں اندھیرا ہے او رمیرے وجود میں روشنی ہے۔

بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب مشرق سے سورج نکالتا ہے ُتو مغرب سے نکال دے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کہا کہ میرا وجود مہبط انوار الٰہی ہے اورمیرے وجودسے انوارِ روحانی کا انتشار ہو گا۔ اس زمانہ اور اس علاقہ کے لئے خداتعالیٰ نے ایک سورج کو پیدا کیا ہے جس کے نتیجہ میں اندھیروں کو دور کیا جائے گا۔ تم اندھیروں میں ہو اگر تم خدا پر ایمان نہیں لاتے اور اس کی ربوبیت کی معرفت نہیں رکھتے اور خود کو خدا کا قائمقام سمجھتے ہو اور عملاً اَنَا رَبُّکُمُ الاَعۡلیٰ کا نعرہ لگاتے ہو اور اس قسم کی تمہاری ذہنیت ہے تو سورج کو مشرق کی بجائے مغرب سے نکال کر دکھاؤ یعنی اپنے وجود کو جو شیطانی ظلمات کا گھر ہے، انوار الٰہی کا سرچشمہ دکھائو۔ ’’رب‘‘ کے متعلق مخاصم مخالف نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو بحث کی کہ خداتعالیٰ کی ربوبیت کوئی چیز نہیں ہے اور نہ اس کی ہمیں ضرورت ہے۔ ہم سب کچھ خود حاصل کرتے ہیں؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ پھر ایسے روحانی نور سے ظلمات شیطانی دورکر کے دکھلائو اس طرح اُسے سمجھایا کہ یہ فیصلہ کرنا حاکم وقت یا حکومت وقت کا کام نہیں کہ کون شخص اللہ تعالیٰ کا مقرب ہے اور کون نہیں کیونکہ مشرق یا روشنی کا منبع یعنی جہاں سے وہ روشنی پھوٹتی ہے اللہ تعالیٰ کے نور کے جلوے کی جگہ ہے یعنی تجلی گاہِ نورِالٰہی ہے پس یہ فیصلہ کرنا کہ یہاں اللہ کے نور کی تجلی ہو گی اور یہاں نہیں ہو گی یہ کسی حاکم وقت یا حکومت یا ساری دُنیا کی حکومتوں کا کام نہیں نہ حاکم وقت کا یہ کام ہے کہ جنت کے

ٹکٹ ایشو (Issue) کرنا شروع کر دے اور نہ یہ کام ہے کہ دوزخ کے ٹکٹ ایشو کرنا شروع کر دے۔ ان کا جو کام ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو طاقتیں دی ہیں اور ان کے استعمال کے لئے اس نے جو اصول بنائے ہیں۔ ان اصولوں کے مطابق اپنی طاقت کو استعمال کیا جائے اور اپنے اختیارات کے دائرہ سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کی جائے۔ الٰہی اصولوں سے انحراف شیطان کا کام ہے، انسان کا کام نہیں۔

غرض اس آیت میں بڑے بنیادی اصول اور حقائق حیاتِ اجتماعی کو بڑے حسین پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے اور قرآن کریم مفسر ہے یعنی قرآن کریم کی آیات ایک دوسرے کی مفسّر ہیں۔ میں نے بتایا ہے اس مضمون سے متعلق دوسری آیات بھی ہیں جو میرے ذہن میں آئیں اور میں نے نوٹ بھی کیں لیکن مجھے لمبا خطبہ دینا نہیں چاہیئے۔ ڈاکٹری مشورہ تو یہ تھا کہ میں مسجد میں آؤں ہی نہ لیکن میرا دل چارپائی پر لیٹے لیٹے گھبرا گیا کیونکہ دو دن سے زیادہ میں احباب سے ملے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لئے میں یہاں آگیا ہوں۔

بہرحال اختصار کے ساتھ میں نے اس مضمون کی بعض بنیادی باتیں بیان کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو تفصیل بھی کسی وقت بیان کر دوں گا اور اس اختصار کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی حاکم اپنے زور سے حاکم نہیں بن سکتا اور نہ اسے سیاسی اقتدار اس وجہ سے حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ بڑا عقلمند اور بڑا ہوشیار اور بڑا چالباز ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک منشاء ہے جو کافر اور مومن کی زندگی میں یکساں طور پر جاری و ساری ہے اس سے تو ہم آزاد نہیں ہو سکتے۔ دوسرے یہ کہ جب حکومت اور بادشاہت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی تو اختیارات کی تعیین بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونی چاہیئے۔ انسان کو یہ اختیار نہیں رہتا کہ خود اپنے لئے اختیارات تجویز کرے اور تیسرے یہ کہ اس دُنیا کی زندگی اور موت بادشاہِ وقت کے ہاتھ میں نہیں اور اس کا یہ حق نہیں کہ کسی کی جان پر یا زندگی پر ڈاکا ڈالے یا وہ لوگوں کے حقوق چھینے یا جو پہلا حق ہے یعنی حرمت حیات انسانی، اس میں دخل اندازی کرے اور نہ اس کا یہ حق ہے اور نہ یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنی قوت قدسیہ کے نتیجہ میں روحانی اصلاح کرے اور بلند مقامات پر لے جائے یعنی یہ موت اور حیات اس کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور چوتھے یہ کہ اندھیروں کا دور کرنا یا اندھیروں کا دور نہ کرنا یعنی مشرق و مغرب کسی حاکم وقت کے اختیار میں نہیں اس واسطے حکومتوں کو مومن وکافر کا فیصلہ کرنے کی بجائے اپنے دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے ان فرائض کی انجام دہی کی طرف توجہ دینی چاہیئے جو

کہ اس بالا ہستی نے مقرر اور معین کئے اور تفویض کئے ہیں جس نے انہیں صاحب اقتدار بنایا ہے۔ جس نے سیاسی اقتدار دیا وہی بتائے گا کہ سیاسی اقتدار سے کام کس طرح لینا ہے اور اس کا مصرف کیا ہے اور انسان کے اپنے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ انسان تو بڑا کمزور ہے۔ وہ بھی اس جہان سے گزر گئے جنہوں نے عاجزانہ اور عاشقانہ زندگیاں گزاریں اور وہ بھی اس جہان سے گذر گئے جنہوں نے اِباء اور استکبار کی راہوں کو اختیار کیا لیکن آخری اور حقیقی کامیابی اسی کی ہوئی جس نے اپنے پیدا کرنے والے رب کے دامن کو نہ چھوڑا او راس سے چمٹا رہا اور اپنے نفس کو کچھ نہ سمجھا۔ ہر کام میں ہدایت پانے کے لئے اس کی نگاہ اپنے رب کے منور چہرہ کی طرف اُٹھی اور وہاں سے اس نے نور حاصل کیا۔ یہ کامیابی جو حقیقی ہے اور اجتماعی زندگی میں بھی ملتی ہے اور انفرادی زندگی میں بھی ملتی ہے۔

بسا اوقات ظاہری آنکھ اس کامیابی کو نہیں دیکھ رہی ہوتی لیکن جو جا رہا ہوتا ہے اس کی زبان سے یہی نکلتا ہے کہ ربّ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا کیونکہ اسے اس وقت جنت کا دروازہ اپنے لئے کھلا نظر آرہا ہوتا ہے اور جو اِباء اور استکبار کی راہ کو اختیار کرتا ہے اور خداتعالیٰ سے بے پرواہی برتتا ہے اور اس کے احکام کے نیچے اپنی گردن کو رکھنے کے لئے تیار نہیں وہ عارضی طور پر بعض جھوٹے دُنیوی معیاروں کے لحاظ سے، بعض لوگوں کے نزدیک شاید کامیاب سمجھا جائے لیکن کیا وہ شخص کامیاب ہوا جو اس دُنیا میں بھی آخری کامیابی کو حاصل نہیں کر سکا؟ کیا وہ شخص کامیاب ہوا جس کے لئے مرنے کے بعد اُس دُنیا میں جنت کی بجائے دوزخ کے دروازے کھولے جائیں؟ ہرگز نہیں وہ کامیاب نہیں۔ کوئی عقل اسے کامیابی نہیں کہہ سکتی کوئی فکر اسے کامیاب نہیں کہہ سکتی۔ پس حکومت اللہ کی ہے۔ وَلَهُ الْحَمْدُ جس رنگ میں وہ حاکم ہے اس کے نتیجہ میں ساری تعریفیں اس کی طرف منتقل ہوتی ہیں اور وہی ان کا سزا وار ہے۔ پس اس رنگ میں ان اختیارات کو جو اس کی طرف سے تفویض کئے گئے ہیں، استعمال کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں تاکہ اس کی رضا حاصل ہو جائے۔ انفرادی زندگی میں بھی یہ ہمارا فرض ہے اور اجتماعی زندگی میں بھی ہمارا یہ فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو یہ توفیق دے کہ ہم اپنے فرائض کو سمجھ کر عقل کے ساتھ ان پر عمل کرنے والے اور ان کو ادا کرنے والے ہوں۔ (از رجسٹر خطباتِ ناصر غیر مطبوعہ)